ص بشیر سامی

میرے ابا جان مکرم شیخ محمد حسن صاحب کی یاد میں

میرے ابا جان لدھیانہ میں پیدا ہوئے۔ ان کی تاریخ پیدائش 1909ء ہے۔ انہوں نے چھوٹے سے گھر میں آنکھ کھولی۔ میرے دادا جان کا نام نور محمد صاحب اور دادی جان کا نام فاطمہ بی بی تھا۔ دونوں خدا کے فضل سے احمدی تھے۔ دونوں ہی ہمدرد اور خداترس، دل کے بہت حلیم انسان تھے دادی جان اعصاب کی بہت مضبوط خاتون تھیں، ہماری اپنی ہی فیملی کافی بڑی تھی ادھر ہمارے دادا جان اگر رشتہ داروں میں کوئی یتیم اور غریب دیکھتے اسے گھر لے آتے اور اس طرح ہمارے گھر میں ہر وقت بہت سارے افراد کا کنبہ رہتا۔ ضرورت مندوں کا ہمیشہ خیال رکھتے، ہمارا گھر قبرستان کے قریب تھا، دادی جان تدفین پر آنے والے غمزدہ لوگوں کا خیال رکھتیں، انہیں کبھی لسی اور ستو بنا کر پیش کرتیں، راتوں کو اٹھ اٹھ کر غریب گھروں میں جاتیں ان کی ضرورتوں کا خیال کرتیں۔ ایک دفعہ دادی جان ابا جان کو لدھیانہ سٹیشن پر لے گئیں اور گود میں اٹھا کر حضرت خلیفۃ المسیح الثانی کا دیدار کروایا، ابا جان کہتے ہیں مجھے اس وقت کے اپنی والدہ کی آنکھوں کے آنسو کبھی نہیں بھولے، اس طرح ابا جان نے پہلی بار حضرت خلیفۃ المسیح الثانی کا دیدار کیا۔ جب لندن کی بیت الذکر کے لئے چندہ کی تحریک ہوئی تو میری دادی جان نے اپنے کانوں کی بالیاں اتار کر چندہ میں دے دیں، ابا جان کہتے کہ جب میں اس بیت کو دیکھتا ہوں تو فخر محسوس کرتا ہوں کہ میری ماں بھی اس نیکی میں شامل ہے۔ ابا جان نے اپنے والدین کی بہت سی اچھی باتیں اپنی زندگی میں اپنائیں۔ اللہ تعالیٰ سب کے درجات بلند کرے۔

ابا جان کہتے ہیں کہ جب میں تقریباً دس سال کا تھا کہ ہماری والدہ جو کہ ایک وقت میں بہت بڑے کنبہ کو سنبھالتی تھیں، ہمیں چھوڑ کر دنیا سے رخصت ہوگئیں اور اس طرح ہمارے گھر کا شیرازہ بکھر گیا، گھر کا تمام کنٹرول اور بندوبست ماں ہی کے ہاتھ میں تھا۔

والد صاحب کہتے ہیں احمدیت کیسے ہمارے گھر میں آئی یہ میں کچھ ٹھیک سے تو نہیں بتا سکتا، تاہم اتنا جانتا ہوں والد صاحب حضرت منشی احمد جان صاحب کے مریدوں میں سے تھے، حضرت مسیح موعود کے دعویٰ سے قبل ہی حضرت منشی احمد جان صاحب کی وفات ہوگئی لیکن آپ کی وصیت پر ہی آپ کے مریدوں نے بیعت کی جن میں ہمارے والد صاحب بھی تھے۔

یہ سب ابا جان کی ہوش سے پہلے کی باتیں ہیں، گھر میں دادا جی اور میرے تایا جی احمدی تھے۔ تایا جی کی شادی بھی غیر از جماعت میں ہوئی تھی۔ دادی جان کی وفات کے بعد گھر میں کوئی روک ٹوک کرنے والا نہیں تھا اور یوں ابا جان نے اپنی جوشیلی طبیعت ہونے کی وجہ سے جلسے جلوسوں میں جانا شروع کر دیا، وہاں ہر قسم کے لوگ ملے، ان دنوں کشمیر موومنٹ چلی ہوئی تھی، ابا جان بھی احرار میں شامل ہوگئے۔ حکومت نے گرفتاریاں کیں تو ابا جان نے بھی اپنے آپ کو اسلام کے نام پر پیش کر دیا تین ماہ کی قید ہوگئی، ابا جان اور ساتھی جیل میں تھے اور سب لوگ انہیں چھوڑ کر گھر چلے گئے، کچھ عرصہ بعد رہائی کی کوشش ہوئی۔ ابا جان کے ساتھیوں نے بھی زور لگایا کہ ہم جیل سے باہر آجائیں مگر ابا جان نہیں مانے، اس طرح انہوں نے تین ماہ جیل میں سلاخوں کے پیچھے گزارے، ابا جان کہتے ہیں میں نوعمر تھا جسمانی طور پر بھی کافی صحت مند تھا۔ رمضان کے پورے روزے رکھے عید بھی جیل میں ہی گزار دی۔ مگر جیل کی شدید مشقت اور بے حد ناقص غذا سے میری صحت پر بہت برا اثر ہوا۔ جیل سے چھٹ کر احرار کا جھنڈا لہراتے ہوئے باہر نکلے اور خوشی خوشی گھر آیا مگر میرے آنے کی گھر میں کسی کو کوئی خوشی نہ ہوئی۔ جیل کی سختی نے تو پہلے ہی میری طبیعت کے جوشیلے پن اور سختی کو نرمی میں بدل دیا تھا گھر والوں کے سلوک نے اور دل برداشتہ کر دیا۔ منچلا تو تھا ہی دل میں بے چینی پیدا ہوئی گھر کے ساتھ ایک امام باڑہ تھا اس میں چلا گیا، وہاں ایک بزرگ نماز پڑھنے آتے تھے میرے پاس آئے اور کہا اب تم نے سارے مزے چکھ لئے ہیں۔ میری بات مانو اور مرزا صاحب کو مان لو، میں نے کہا آپ تو مانتے نہیں میں کیسے مان لوں؟ انہوں نے اپنی خواب بھی سنائی۔ میں نے ان کی باتیں غور سے سنیں، کچھ عرصہ کے بعد جلسہ سالانہ بھی آرہا تھا میرے بڑے بھائی غلام نبی صاحب نے مجھے تیار کرلیا، وہ تو پہلے ہی احمدی تھے مجھے اپنے ساتھ قادیان جانے کے لئے تیار کرلیا ایک تو ان بزرگ کی خواب کا بھی اثر تھا، احمدیت گھر میں پہلے ہی والدین کی وجہ سے موجود تھی، میں اپنے بھائی کے ساتھ قادیان گیا، جانے سے پہلے باقی تمام رشتہ داروں نے بہت روکا کہ مت جاؤ، میری بھٹکی روح کو جائے بنا بھلا اب کہاں چین تھا اور میں قادیان آگیا۔

میں نے تو بہت بڑے بڑے عرس اور میلے دیکھے ہوئے تھے یہاں کی تو دنیا ہی اور تھی۔ حضرت مسیح موعود کے مزار پر گیا تو وہاں کا نظارہ دیکھ کر حیران ہوا لوگ آتے ہیں خاموشی سے دعا کی اور چلے گئے، کوئی پھول نہیں چڑھاتا۔ یہ سب میرے لئے حیران کن باتیں تھیں، جلسہ سالانہ پر بیعتوں کا وقت آیا تو میری دنیا بدل چکی تھی اور میں نے حضرت خلیفۃ المسیح الثانی کے ہاتھ پر بیعت کی سعادت حاصل کی۔ گھر آیا تو تمام رشتہ داروں نے شدید مخالفت کی اور محلّہ والوں نے بھی بائیکاٹ شروع کر دیئے۔ دکانوں پر بورڈ لگا دیئے کہ مرزائیوں کو سودا نہیں دیا جائے گا۔ میرے وہ تمام دوست جو جیل میں میرے ساتھی تھے اور وہ علماء جن کے میں پیچھے لگا ہوا تھا سب سکتہ میں آگئے۔ ان سب سے بھی زیادہ میرے وہ تایا جن کی بیٹی کے ساتھ میری شادی طے تھی، حیران پریشان تھے کہ اب کیا ہوگا، آخر شادی کا وقت آگیا کھانے بن گئے، میں دلہا بن گیا، نکاح کے وقت میرے ہونے والے سسر میرے پاس آئے اور پگڑی میرے پاؤں میں رکھ دی کہ صرف نکاح کے وقت کہہ دو کہ میں احمدی نہیں ہوں اس کے بعد جو جی میں آئے کرو، مگر میرے لئے اب میرا ایمان زندگی اور موت کا سوال تھا۔ میں نے اللہ تعالیٰ پر توکل کیا اور تقویٰ کی راہ پر چلنے کا عہد کرلیا، شادی کیا، دنیا کی ہر چیز قربان کرسکتا تھا۔ میرے انکار پر سارے شہر میں دھوم مچ گئی، مخالفت کا بھی زور شروع ہوگیا اور ساتھ احمدیت کی دعوت کا سامان بھی بنا، چونکہ میری جان کو خطرہ بھی تھا جماعت کے دوستوں نے مل کر مجھے باؤ رحمت اللہ صاحب کے بیٹے غلام ربی صاحب کے گھر بھجوا دیا، الحمدللہ کہ اللہ تعالیٰ نے فضل فرمایا اور میں زندگی کے پہلے اور مشکل مرحلہ میں کامیاب ہوا، ابا جان کہتے ہیں، میری نئی زندگی کا دور شروع ہو چکا تھا۔ جماعت میں میری شادی کی فکر شروع ہوگئی۔

غالباً یہ 34-1933ء کی بات ہے کہ شیخ مبارک احمد صاحب مربی بن کر لدھیانہ میں آئے۔ ان کے آنے سے مناظروں کا سلسلہ شروع ہوا۔ مرکز ہمارا گھر بنا ہمارے گھر کی چھت پر مناظرے ہوتے رہے۔ بہت جلدی شیخ صاحب کا تبادلہ مشرقی افریقہ ہوگیا، ان کی جگہ مولانا احمد خان نسیم صاحب تشریف لائے، مناظروں کا سلسلہ پھر سے شروع ہوگیا۔ مولانا احمد خان نسیم صاحب بھی ابا جان کے بارہ میں سب جان چکے تھے۔ انہوں نے ابا جان کی شادی کی تجویز قادیان میں حضرت میاں فضل محمد صاحب ہرسیاں والے کی صاحبزادی حلیمہ بیگم سے پیش کی۔ میں قادیان گیا۔ ابا جان کہتے ہیں کہ میرے ساتھ بڑے بھائی اور تایا گئے۔ لڑکی والوں نے میرا انٹرویو لیا مگر میں ان کے ہر انٹرویو میں فیل ہوا۔ میرے پاس تو کچھ بھی نہیں تھا، سوائے نئی احمدیت اور جوش و جذبہ کے، لڑکی والے میری کسی بات سے مطمئن نہیں ہوئے، وہ لوگ حیران تھے یہ کیسا بے فکر لڑکا ہے نہ کوئی کام ہے اور نہ کوئی پڑھائی۔ میں تو گھر آنے کے لئے تیار ہوگیا تھا مگر وہ سب بہت نیک لوگ تھے دعائیں بھی انہوں نے خود ہی کرلیں اگلے دن فارم میرے سامنے رکھا کہ یہاں دستخط کردو، مجھے بتایا گیا کہ رات مولانا احمد خان نسیم صاحب کو حضرت ...... کی زیارت ہوئی ہے۔ جس وجہ سے رشتہ کو بابرکت سمجھا گیا۔ رشتہ طے ہونے پر میرا نکاح بروز جمعہ 1934ء میں جلسہ سالانہ پر حضرت خلیفۃ المسیح الثانی نے پڑھایا۔ شادی 1935ء میں مجلس شوریٰ کے دنوں میں ہوئی۔ ابا جان کہتے ہیں مجھ جیسے انسان کے لئے یہ بہت بڑی سعادت تھی کہ ایک رفیق حضرت مسیح موعود کی بیٹی کے ساتھ میری شادی ہوئی۔

شادی سے پہلے بے لگام سی زندگی تھی نہ گھر سے کوئی تربیت کی امید تھی، نہ باہر سے کوئی خیر کی توقع ایک خودرو پودے کی طرح بڑھ رہے تھے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے میرا ایسے لوگوں کے ساتھ تعلق پیدا کیا کہ میری تربیت کے خود بخود پہلو نکلتے رہے۔

ابا جان بتاتے ہیں کہ جب میں ممبئی میں تھا تو جماعت کی مجلس عاملہ کے الیکشن ہوئے تو میرا نام سیکرٹری دعوت الی اللہ کے لئے پیش ہوا۔ کثرت سے مجھے ووٹ ملے، مکرم قاضی عبدالرشید صاحب نے مجھے مبارک باد دی۔ میں نے اپنی مجبوری بتائی کہ کسی علم والے کو یہ عہدہ دیں۔ قاضی صاحب نے یہ بات جماعت کے سامنے رکھی اور دوبارہ الیکشن کروائے اور پھر میرا نام کثرت رائے سے منظور ہوا، اس پر قاضی صاحب فرمانے لگے لکھائی پڑھائی کا کام میں کر دیا کروں گا اس طرح الحمدللہ ممبئی میں سیکرٹری دعوت الی اللہ کا کام کرنے کی توفیق ملی۔

کہتے تھے جب میں کچھ نہیں تھا تو واقعی کچھ نہیں تھا مگر اب جب اللہ تعالیٰ کی رحمتوں اور برکتوں کی بارش ہونے لگی تو میں ان رحمتوں اور برکتوں میں بھیگتا ہی چلا گیا، فیروز پور کا ہی ایک واقعہ بتاتے ہیں کہ میرے ساتھ ایک یعقوب نامی شخص کام کرتا تھا دہریہ خیالات کا تھا، اللہ تعالیٰ کی ذات سے منکر تھا، اس کی شوخیاں حد سے بڑھنے لگیں ایک دن طنز سے کہا دیکھو کتنی گرمی ہے، تم اپنے خدا سے کہو کہ بارش برسا دے، میں نے اسے بہت سمجھایا کہ ہم دعا کر سکتے ہیں مگر حکم نہیں دے سکتے۔ کہتے ہیں کہ میں نے دل میں دعا شروع کر دی، اس رات بادل آئے مگر برسے بنا چلے گئے مجھے یقین تھا کہ آج جاتے ہی دوبارہ مجھے طعنہ دیا جائے گا وہی ہوا جاتے ہی مجھے وہی شخص ملا اور بار بار اس کا اصرار کہ تمہارا خدا گرجا تو بہت مگر برسا نہیں۔ اس نے میرا وہاں بیٹھنا مشکل کر دیا۔ دن کے گیارہ بجے تھے میں اٹھ کر باہر چلا گیا شدید گرمی تھی۔ میں نے آسمان کی طرف منہ اٹھا کر اللہ تعالیٰ کو اس کی غیرت کا واسطہ دے کر التجا کی اے خدا وہ دہریہ تیری ذات کا منکر ہے اور مجھے طعنہ دیئے جا رہا ہے تو اس کا منہ بند کر۔ میری عاجزی کو ابھی زیادہ دیر نہیں ہوئی تھی کہ نہ جانے کہاں سے آسمان پر بادل آئے اور میرے چہرے پر بارش کے قطرے گرنے لگے۔ پھر میں نے اللہ سے التجا کی کہ وہ اس بارش سے تو نہیں مانے گا۔ ابا جان کہتے ہیں کہ پھر کیا تھا اتنی زوردار بارش ہوئی اور زوردار ہوا کے جھکڑ چلے، دہریہ اس وقت برآمدہ میں بیٹھا تھا اور بارش اور ہوا کا زور اس کے منہ پر جا کر لگ رہے تھے۔ جس پر وہ بے اختیار بول اٹھا۔ میں مان گیا کہ تمہارا خدا زندہ خدا ہے۔ ساتھ ہی اس نے کہا یہ خدا صرف مرزا صاحب کے ماننے والوں کا ہی ہوسکتا ہے۔ میں تو اپنے رب کے حضور سجدہ ریز تھا اور اس کی حمد کے گیت گا رہا تھا۔

پاکستان بن جانے کے بعد لاہور آئے، کچھ عرصہ کے بعد فیصل آباد (لائل پور) شفٹ ہوگئے غربت کا

دور تھا۔ بیت الذکر کے سامنے اللہ نے گھر دے دیا اور دکان بھی جو اباجان کے نام ہوئی بیت کے دروازے کے سامنے ہی تھی۔ احمدیت قبول کرنے کے بعد میرے اباجان کی زندگی تین چیزوں کے گرد زیادہ گھومتی رہی۔ بیت، جماعت اور خدمت خلق، ان کاموں کو کرنے کے لئے ہمیشہ دیانت داری اور تقویٰ سے کام لیا، دین کو دنیا پر مقدم رکھا۔ جب بھی جماعت کا کوئی کام ہو، اس کو مقدم رکھا۔ یہی وجہ ہے، جب 1950ء میں فرقان فورس اپنے اختتام کو پہنچ رہی تھی مرکز سے رضا کار بھجوانے کی تحریک ہوئی مکرم عبدالرحمٰن صاحب (گڈیاں والے) کا نام تجویز ہوا وہ اپنی مجبوری کی وجہ سے نہیں جا سکتے تھے ان کی جگہ اباجان کا نام پیش ہوا گو کہ اباجان کی اپنی مجبوری تھی کہ ان دنوں میرے بھائی کی پیدائش متوقع تھی ہم بھی ابھی سب چھوٹے ہی تھے۔ اباجان نے امی کی اجازت سے سب کو اللہ کے سپرد کیا اور دین کی راہ میں نکل گئے۔ جماعت نے ہمارا بہت خیال رکھا۔ خاص طور پر جب میرے بھائی کی پیدائش کا وقت تھا تو اس وقت وہاں کے مربی مولوی محمد اسمٰعیل صاحب دیال گڑھی تھے۔ انہوں نے اور ان کی بیگم خالہ جی نے ہم بچوں اور امی کی بہت مدد کی۔ اللہ تعالیٰ ان کو ہمیشہ اس نیکی کی جزا دے۔ اس کے بعد اباجان کشمیر میں تین ماہ رہے۔ یہ بھی ان دنوں کی ہی بات ہے کہ پاکستان میں شدید سیلاب آیا ہوا تھا۔ سیلاب نے بہت بڑی تباہی مچائی۔ جماعت کو ربوہ کے بارہ میں بہت فکر تھی۔ حضرت شیخ محمد احمد مظہر صاحب امیر ضلع فیصل آباد نے اباجان ملک بشیر صاحب اور مکرم شیخ عبدالقادر صاحب کو ربوہ کی خیریت دریافت کرنے کے لئے بھجوایا۔ ساتھ تحفۃً دودھ کے ڈبے لے کر گئے۔ اباجان کہتے ہیں کہ پہلے تو تھوڑا سفر بس پر کیا باقی گہرے پانیوں میں سے گزرتے سیلاب کی تباہ کاریاں دیکھتے ہوئے ربوہ پہنچے جو خدا کے فضل سے بالکل محفوظ مقام پر تھا۔ ربوہ والوں نے سب کی بہت خدمت کی۔

اباجان کا اللہ تعالیٰ پر توکل کا ایک واقعہ لکھتی ہوں۔ یہ بھی انہی دنوں کی بات ہے جب جامعہ احمدیہ احمد نگر میں تھا، مکرم حکیم خورشید احمد صاحب جامعہ احمدیہ میں خدمت کرتے تھے۔ انہوں نے اباجان کو بارہ کتابیں جلد بنانے کو دیں۔ اباجان کی دکان فیصل آباد میں بیت الذکر کے سامنے تھی۔ اباجان بیان کرتے ہیں کہ جب کتابیں تیار ہو گئیں تو میں بس میں سوار ہوا کتابیں ساری بس کی چھت پر رکھ دیں۔ جب میں احمد نگر پہنچا اور کتابیں دیکھیں تو وہاں صرف دو کتابیں تھیں باقی ساری راستہ میں نہ جانے کہاں گر گئیں، کہتے ہیں کہ کتابوں کے گم ہونے کا مجھے بہت سخت صدمہ ہوا۔ اب میں نے سوچ لیا کہ پوری کوشش کروں گا کہ جامعہ احمدیہ کی ان کتابوں کو ڈھونڈ نکالوں، اللہ کا نام لے کر دعا کرتا ہوا سائیکل پر نکل گیا۔ سڑک پر جو بھی راستہ میں ملتا اس سے ہی سوال کرتا کہ بھائی آپ کو کوئی یہاں سے کتاب تو نہیں ملی؟ رجوعہ کے قریب مزدور سڑک بنا رہے تھے ان کو پوچھا وہ بولے یہ کتاب ہمیں ملی ہے اور دوسری ہم نے اس گاؤں کے جوائی کو دے دی ہے، ایک کتاب لے کر دوسری کے لئے گاؤں کے جوائی کے گھر گیا وہ تو نہ ملا اس کی بوڑھی ماں مل گئی، اس نے میری پوری بات سنی اور مجھے گرم گرم دودھ پینے کو دیا، تھکا ہوا تھا دودھ پی کر میری جان میں جان آئی۔ اس کا بیٹا بھی گھر آ گیا مجھے دیکھتے ہی بولا کتابیں ڈھونڈ رہے ہو اس نے مجھے تسلی دی اور دوسرے گاؤں کے سکول کا پتہ بتایا میں سکول کے ہیڈ ماسٹر صاحب کے پاس گیا، ہیڈ ماسٹر صاحب بہت نیک اور شریف آدمی تھے انہوں نے سب سکول کے بچوں سے رابطہ کیا اور کتابیں ملنی شروع ہو گئیں۔ رات تک ساری کتابیں مل گئیں۔ انہوں نے رات بھر مجھے اپنا مہمان بھی بنایا۔ اگلے دن میں نے ہیڈ ماسٹر صاحب اور باقی سب کا شکریہ ادا کیا اور احمد نگر پہنچ کر جب ساری کتابیں ان کو دیں تو کسی کو یقین نہیں آ رہا تھا کہ کیسے معجزہ ہوا انہوں نے کہا مگر اللہ تعالیٰ نے جو پیار کا سلوک میرے ساتھ کیا میرا دل اللہ تعالیٰ کے حضور سجدہ ریز ہی رہا۔

اباجان فیصل آباد سے ربوہ دفاتر کی کتابیں جلد کیا کرتے تھے۔ ایک روز ایک صاحب نے حضرت مفتی محمد صادق صاحب کی ذاتی ڈائری جن پر بہت سے لوگوں کے دعا کی غرض سے نام لکھے ہوئے تھے، اباجان کو دی کہ اس کو بھی ٹھیک کر دیں، اباجان اسے ٹھیک کر کے لائے اور نوٹ بک واپس کر دی، مفتی صاحب نے اپنے آدمی کو واپس بھجوایا کہ کتنے پیسے خرچ آیا ہے۔ اباجان نے کہا کوئی پیسے نہیں بس میرا بھی نام ان خوش قسمت لوگوں میں لکھ لیں، اباجان نے بتایا کہ مجھے علم نہیں کہ میرا نام انہوں نے لکھا کہ نہیں، لیکن اباجان نے خواب میں دیکھا کہ مفتی صاحب خواب میں آئے ہیں اور ڈائری کے ورق پلٹ رہے ہیں اور مجھے کہتے ہیں کہ میں نے آپ کا نام انگریزی میں لکھ دیا ہے، اس کے بعد اباجان ربوہ آئے اور اچانک مفتی صاحب کو آتے دیکھا اور اپنی خواب بیان کی جس پر مفتی صاحب کچھ دیر کے لئے خاموش ہو گئے اور پھر فرمایا کہ آپ کو پتہ ہے کہ آپ نے خواب میں کس کو دیکھا۔ 'محمد' اور 'صادق' کو یہ کبھی غلط نہیں ہو سکتا یہ ہو کر رہے گا۔

اباجان کی خواب اور مفتی صاحب کی تعبیر کا وقت یوں آ گیا کہ کچھ ہی دنوں کے بعد اباجان کے افریقہ نیروبی جانے کے سامان پیدا ہو گئے وہاں بھی دین کی خدمت کرنے کا بہت موقعہ ملا اور سولہ سال کے بعد اباجان 1969ء میں لندن آ گئے۔

یہاں آ کر بھی زندگی کا مقصد دین کی خدمت ہی رہا۔ باوجود اس کے کہ اباجان کی بہت معمولی تعلیم تھی، مگر جو بھی ان کو صحبت نصیب ہوئی وہ غیر معمولی تھی، احمدیت کی تعلیم نے ان کے دل و دماغ کو جلا بخشی، انگریزی میں لکھے گئے نام کی تعبیر کا وقت ایسے شروع ہوا کہ لندن میں اخبار احمدیہ جب سے شروع ہوا اور الفضل انٹرنیشنل کی ٹیم کے ساتھ جب تک اتنی ہمت رہی کہ گھر سے باہر جا سکیں کام کیا اور بے شمار مرتبہ نام انگریزی میں لکھا گیا، اباجان کی خواب کا اس رنگ میں پورا ہونا کوئی معمولی بات نہیں تھی۔ اباجان سر جھکا کر چلنے والے فقیرانہ مزاج کے مالک انسان تھے۔ ہر روز بیت فضل جاتے کوئی بھی چھوٹا یا بڑا کام ہوتا خوشی سے کرتے بیت کی صفائی کا خاص خیال رکھتے، کچن کی ٹیم کے ساتھ ہمیشہ کام کیا پرانے لندن کے رہنے والے سب اباجان کو بھائی جی کے نام سے ہی جانتے ہیں، ان کے ہاتھ کے پکوڑے سب کو بہت پسند تھے۔ جمعہ کی نماز کے بعد لوگوں کو چائے اور پکوڑوں کی کشش کچن کی طرف لے آتی اباجان خود بھی اور اکثر امی جان سے مختلف کھانے بنوا کر اپنی ٹیم کو کھلاتے۔ کڑی کا مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ کبھی امی کو فون کرتی اور پوچھتی کیا کر رہی تھیں تو جواب ہوتا تمہارے ابا کی فرمائش پر کڑی بنا رہی ہوں۔ بیت الذکر لے کر جانی ہے۔ کتابوں کی جلد بنانے کے ماہر تھے۔ اپنے بہت سے عزیزوں دوستوں کے قرآن مجید کے نسخوں کی مرمت کرتے تو بہت خوش ہوتے کہ قرآن مجید کی خدمت کی توفیق پا رہا ہوں۔ جلد بندی پر لوگ خوش ہوتے اور دعائیں دیتے اور پیسے بنوائی کے کبھی نہ لیتے، اپنی مہر بنائی ہوئی تھی، جو ہر جلد بنانے کے بعد لگاتے طالب دعا۔ ان کی پسندیدہ دعا جزاکم اللہ تھی۔ ہمیشہ اللہ سے جزا مانگتے۔ دعوت الی اللہ کے معاملہ میں ان کی تعلیم کی کمی کبھی روک نہیں بنی۔ درثمین، کلام محمود کے بہت سے شعر زبانی یاد تھے جو موقع کی مناسبت سے سناتے۔ واقف زندگی نہیں تھے مگر اپنے طور پر اپنی زندگی انہوں نے جب سے بیعت کی دین کے کاموں کے لئے وقف کر چھوڑی تھی۔ آپ کا سوشل ورک یعنی لوگوں کی مدد اپنی کمائی کا زیادہ حصہ غریبوں میں ہی تقسیم کرنا تھا کسی کا دکھ نہیں دیکھ سکتے تھے۔ یہاں تک کہ شاپنگ کر کے آتے تو ضرورت مندوں کی تلاش میں رہتے۔ جلسہ پر یا فیملی میں کوئی وزٹ پر آتا تو اباجان کی دلی خواہش ہوتی کہ میں اس کو سارے لندن کی سیر کرواووں، سیر پر جانے سے پہلے اپنی کوٹ کی جیبیں اچھی طرح کھانے والی چیزوں سے بھر لیتے۔

پاکستان کے پہلے وزیر خارجہ حضرت چوہدری محمد ظفراللہ خان صاحب سے پہلی ملاقات فیصل آباد میں ہوئی۔ اس کے بعد جب اباجان نیروبی میں تھے تو چوہدری صاحب کا وہاں آنا ہوا۔ اباجان نے اپنی خواب سنائی کہ میں نے دیکھا کہ آپ کی ٹانگیں دبا رہا ہوں۔ آپ نے فرمایا ہم دونوں کے لئے خواب اچھی ہے مگر میری ٹانگوں کو ہاتھ نہ لگانا۔ اباجان نے بتایا اللہ کی تقدیر نے ہم دونوں کو لندن میں اکٹھا کر دیا۔ میرے خواب کی تعبیر ظاہر ہونے لگی۔ بہت مرتبہ انہوں نے اپنی محبت اور شفقت سے نوازا مجھے بھی اللہ تعالیٰ نے ان کی خدمت کی توفیق دی۔ اکثر ان کے ساتھ ملاقت رہتی۔ لیکن ایک دن ایسا بھی آیا جو میری زندگی کا یادگار دن بن گیا۔ فرمانے لگے مجھے پتہ ہے کہ تم میرے ساتھ بہت محبت کرتے ہو۔ آج تمہیں یہ بتانا چاہتا ہوں کہ میں بھی تم سے محبت کرتا ہوں اور اس محبت کا اظہار انہوں نے ایسے کیا کہ جب آخری مرتبہ وہ لندن سے جانے لگے، مجھے اپنا استعمال شدہ سوٹ دیا۔

لندن میں حضور کی موجودگی کی وجہ سے انٹرنیشنل جلسہ شروع ہوا تو اسلام آباد کا لنگر ایک ماہ پہلے شروع ہوتا وہاں مختلف ٹیمیں کام کے سلسلہ میں آنی شروع ہو جاتیں، کچن کے ساتھ سٹور کی چابی بھی اباجان کے پاس ہی ہوتی تھی۔ اس لئے ایک ماہ پہلے جاتے اور ایک ماہ بعد واپس آتے، اباجان بتاتے ہیں ایک دن حضرت خلیفۃ المسیح الرابع کچن میں تشریف لائے، میں نظر نہ آیا تو حضور نے پوچھا حسن صاحب کہاں ہیں، میں حضور کے پیچھے کھڑا تھا، مجھے آگے کیا گیا، حضور نے مجھے دیکھا اور بڑے پیار سے فرمایا آپ تو یہاں کے مُڈ ہیں مُڈ۔ ایک اور واقعہ سناتے ہیں کہ حضور انور سیر سے تشریف لا رہے تھے کہ میرا سامنا ہو گیا، میں نے بے تکلفی سے پوچھ لیا حضور آپ چنے کھانا پسند کریں گے، حضور نے شفقت سے فرمایا ہاں ہاں لائیں بلکہ ساتھ چلنے والے احباب کے لئے بھی فرمایا ان کو بھی دیں، کہتے ہیں کہ اگلے دن میں اپنے کاموں میں مصروف تھا کہ حضور آ گئے اور پوچھا چنے والے کدھر ہیں، مبارک ساقی صاحب مرحوم نے توجہ میری طرف مبذول کروائی۔ حضور نے فرمایا کیا آپ کے پاس چنے ہیں؟ میں نے اپنی جیب میں ہاتھ ڈالا جتنے چنے تھے حضور کے ہاتھ پر رکھ دیئے۔ اباجان ہمیشہ اپنی جیب میں بادام یا چنے رکھتے تھے۔

کچن کا ہی ایک چھوٹا سا لطیفہ لکھ دیتی ہوں۔ اباجان کہتے ہیں ایک نوجوان آیا کہ میں کوئی کام کرنا چاہتا ہوں۔ میں نے اس کو کہا کہ یہ لو سبز مرچیں دھو کر لاؤ، تھوڑی دیر کے بعد میں کیا دیکھتا ہوں سنک میں برتن دھونے والے صابن کی جھاگ سے سنک بھرا ہوا ہے اور ایک ایک مرچ کو صابن سے مل مل کر دھو رہا ہے۔ مجھے اس کی اس قدر صفائی پسند طبیعت پر بہت ہنسی آئی۔ لندن اسلام آباد کا جلسہ حضرت خلیفہ رابع کا زمانہ اور میرے اباجان کا ان دنوں میں اسلام آباد کچن میں کام کرنا ہماری زندگیوں کا سنہری دور تھا۔ امی اباجان کو جماعت کی طرف سے وہاں ٹینٹ میں رہنے کی سہولت تھی۔ جلسہ کے دنوں میں ایک قسم کا وہ ہمارا گھر بن جاتا تھا۔ جلسہ میں دوپہر کا وقفہ اور شام کو جلسہ کے بعد امی جان کے پاس دنیا جہان سے آئے ہوئے مہمانوں کا جمگھٹا اور اباجان کا ہر بندے کی خدمت کر کے خوش ہونا۔ خدمت وہ صرف گھر والوں کی ہی نہیں کرتے تھے بلکہ ان کی خدمت کا دائرہ بہت وسیع تھا کہ ان کو مزا ہی ان باتوں میں آتا تھا۔ خود نہیں کھاتے تھے اپنا کھانا خود گھر سے لے کر جاتے یا وہاں بھی خود اپنے لئے اپنے ہاتھ سے پکاتے کھاتے اور کھلاتے۔

میری امی بھی جلسہ پر سب کے لئے بے شمار کھانے پینے کی چیزیں لے کر آتی تھیں۔ بہت مزے کی نہ بھلانے والی بے شمار یادیں ہیں۔ اباجان کی ساری زندگی ہمیشہ رشتہ داروں، ہمسایوں غرض جہاں جہاں تک ان کی پہنچ تھی، کوئی موقع ہاتھ سے نہیں

جانے دیا کہ وہ کسی کے کام نہ آسکیں۔ امی ابا جان دونوں اپنے فلیٹ میں اکیلے رہتے تھے ہم سب ان کے پاس اکثر جاتے تھے۔ جب بھی گئے بچوں کو ہمیشہ پرانے زندگی کے واقعات سناتے اور نصیحتیں کرتے، جب بھی ہم ان کے گھر سے آتے تو کبھی خالی ہاتھ نہیں آنے دیتے جو بھی گھر میں ہوتا ہمارے ہاتھ میں ضرور پکڑاتے۔ ہم سب کے ساتھ ہی وہ بہت پیار کرتے تھے مگر خالد اور اس کے بیوی بچے کیونکہ کافی عرصہ ساتھ رہے اور بعد میں بھی ان کی خدمت میں پیش پیش رہے، تو قدرتی بات ہے پھر ایک ہی بیٹا جو اپنے ماں باپ کا بے حد خدمت گزار بھی ہو، سو امی ابا جان کے دل میں بھی اس کے لئے بہت جگہ تھی۔ اللہ تعالیٰ سے دعا گو ہوں کہ خالد کو دونوں جہاں میں اپنے ماں باپ کی خدمت کا اجر ملے، آمین۔ امی کی وفات کے بعد ابا جان خالد کے گھر آ گئے تھے۔ شوگر نے بھی کافی کمزور کر دیا تھا۔ آخر میں دل کی بھی تکلیف ہوگئی۔ ڈیڑھ دو ماہ ہسپتال میں رہے۔ بہت باہمت جواں، مردانگی سے بیماریوں کا مقابلہ کیا، بیماری میں بھی دعاؤں پر زور رہا اللہ تعالیٰ پر توکل اور بھروسہ، درود شریف کا ورد کرتے رہے، وہی شخص جو بچپن میں احرار کا جھنڈا اٹھائے جیلوں میں گھوم رہا تھا اللہ تعالیٰ نے ایسی نیک دیندار اور اللہ تعالیٰ پر توکل اور تقویٰ سے بھری ہوئی زندگی گزارنے کی توفیق دی۔ سچے خواب اور اللہ تعالیٰ کی ابا جان سے باتیں۔ حضرت مسیح موعود کے جاں نثار خلافت کے پرستار دین کو دنیا پر مقدم رکھنے والے غریبوں کے ہمدرد اپنے تمام رشتہ داروں سے پیار کرنے والے ہمارے بہت ہی مہربان پیارے ابا جان 5 فروری 2003ء کو ہمیں چھوڑ کر اپنے بخشش کرنے والے رحمان رحیم اللہ کے پاس چلے گئے۔ میں اپنے پیارے ابا جان اور اپنی پیاری امی کے لئے احباب جماعت سے ان کی مغفرت اور بلندی درجات کے لئے دعا کی درخواست کرتی ہوں۔ امی ابا جان کی خواہش بھی تھی اور وصیت بھی تھی۔ دونوں بہشتی مقبرہ ربوہ میں مدفون ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی ان پر ہزاروں ہزار رحمتیں اور برکتیں نازل ہوں۔ آمین۔ اللہ تعالیٰ ہمیں بھی توفیق دے کہ ہم ان کی بتائی ہوئی نصیحتوں پر عمل کر سکیں۔ آمین

بقیہ صفحہ 3

مخالف صبر سے باہر ہو کر اس کے ساتھ آمادہ بجنگ ہو جائے"۔ (ملفوظات جلد پنجم ص318)

"تمہاری نرمی ایسی نہ ہو کہ نفاق بن جاوے اور تمہارا غضب ایسا نہ ہو کہ بارود کی طرح جب آگ لگے تو ختم ہونے میں ہی نہیں آتی۔ بعض لوگ تو غصہ سے سودائی ہو جاتے ہیں اور اپنے ہی سر میں پتھر مار لیتے ہیں۔ اگر ہمیں کوئی گالی دیتا ہے تب بھی صبر کرو...... صبر کرو اور حلم سے کلام کرو۔ ایسا نہ ہو کہ تمہارا اس وقت کا غصہ کوئی خرابی پیدا کر دے جس سے سارا سلسلہ بدنام ہو یا کوئی مقدمہ بنے جس سے سب کو تشویش ہو"۔

(ملفوظات جلد سوم ص104)